ستارہ یاب

محسن چنگیزی

ستارہ یاب

محسن چنگیزی

الحمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انار کلی)۔ لیک روڈ۔ لاہور

☎ 7310944-7231490

هماری کتابیں.....

خُوبصورت، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین واہتمام اشاعت

صفدر حسین

ضابطہ:۔

کتاب : ستارہ یاب

شاعر : محسن چنگیزی

کمپوزنگ : ارشاد حسین

قیمت : 160 روپے

رابطہ : محسن چنگیزی II-ڈی، گلی نمبر 6 ہزارہ ہاؤسنگ سوسائٹی، نامدار روڈ کوئٹہ، بلوچستان، پاکستان

موبائل : 0300-3881527

انتساب

جون ایلیا

کے نام

زغارتِ چمنت بر بہار منّت ہاست
کہ گُل بہ دست تُو از شاخ تازہ تر ماند

طالب آملی

فہرست

1	ہے کون جو سدا سے مجھ کو تھامے میرا	15
2	آنکھیں بھیگی تھیں نمازِ عشق کا تھا	17
3	خزیں آنکھ شناسوں کی اداسی پھیلی ہے	19
4	رائیگاں کوئی بھی منظر نہیں دیکھا جاتا	21
5	یہ اور بات ہے مجھے اس کا تجربہ بھی نہیں	23
6	کئی دنوں سے عجب کیفیت ہماری ہے	52
7	یہی ملال ہے دریا کو اپنے پانی سے	72
8	جو دکھائی دیتا ہے اس سے ماورا دیکھیں	92
9	قیام میں بھی کسی راہ پہ رواں تھا	13
10	سفر وصال کا کیا قیامت گزارا تھا	33
11	ترے فراق میں دل سے نکال کر دیا	53
12	یہ زندگی ہے مری یا مغالطہ میرا	37

13	جب سے اہلِ ادراک سے انجان ہو گئے	39
14	شب گزشتہ عجب اک عذاب دیکھا تھا	41
15	آنکھیں کھلیں کہ وا درِ زنداں ہو گیا	43
16	حکایت شاخِ تنہا کی صبا سے کیوں نہیں سنتے	45
17	گرد دنیا بھی یہاں آ کے بھٹک جاتی ہے	47
18	بند آنکھوں میں تیرا خواب کہاں سے آیا	49
19	یہ ہم جو خلوتِ افسردگاں میں رہتے ہیں	51
20	وہی پرانی حکایت وہی کہانی ہے	53
21	پسِ غبارِ درِ شام سرمگیں بھی نہیں	55
22	کیا عجب راز آشکار کیا	57
23	آئینہ وار دیکھتے ہیں اُسے	59
24	بے ارادہ ذہن سے پھول توڑ کر میں نے	61

25	ستارہ تھا نظر میں شام سے پہلے نہیں آیا	63
26	اس سے اک شام ملاقات کا وعدہ لینا	65
27	سخن کو دسترس سے ماورا ہونے نہیں دینا	67
28	یہ جو خاموش ہوں میں عالم حیرانی میں	69
29	عشق کے باب میں ہم کو یہ روایت دی	71
30	حرفِ الزام بنوں یا کہ دعا ہو جاؤں	73
31	شامل ہونے لگی یا سینے میں یہ تم تو نہیں	75
32	کوزہ مشق میں کچھ ایسی اطاعت کرتے	77
33	سرد بازاری دنیا سے شکایت کیسی	79
34	وجود میرا زخم اندمال ایک شخص تھا	81
35	ڈوب جانے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا	83
36	چند بھرتے ہیں سکے اڑان دیکھو تو لیں	85

37	تمہاری ذات میں کچھ مبتلا تو میں بھی ہوں	87
38	دکھ سے درد کا امکان بھی ہو سکتا ہے	89
39	اپنے ہی باب میں نقصان بہت کرتے ہیں	91
40	اندر کی خاموشی کی گرہ کھولتے نہیں	93
41	سفر کی ایک اور سمت پا کر چلا گیا ہوں	94
42	سرابوں سے غبارِ تشنگی معدوم نہیں ہوتا	96
43	اس کو بھلا کے خوش بھی پشیمان بھی نہیں	98
44	دروں جسم جب اندھیرا چھانے لگتا ہے	100
45	اُجرتِ عشق سے تحفوں میں ادا ہو گئے ہم	102
46	کیسے خیموں پہ کھلے باب خبر پانی کا	104
47	آسمانوں کو سکوں اس کو بتانے سے ملا	106
48	گماں کی سمت کی طرف دیکھ رہا ہے	108

49	شکستِ خواب کا منظر لیے پھرتے ہوئے	110
50	رائیگانی کی یہی مجھ کو سزا دی گئی ہے	112
51	سمندروں کی مسافتوں سے گزر رہا ہوں	114
52	یہ تمنا تو نہیں ہے کہ مجھ کو تول جائے	116
53	اسیرِ خواب کی تعبیر لے کے آیا ہوں	118
54	یہ کرن ہی جو میری روح میں بس آئی ہے	119
55	محبتیں سے ورا قصہ ہی ایسا تھا	121
56	کس قدر رنج سے یہ کار نیاں کھینچتے ہیں	123
57	میں فتح مند رہوں یا کہ مات ہو جائے	125
58	خوش لباسی کے تصور میں بھی عریاں ہوتا	127
59	نیند بھی کارِ مشقت ہے چلو یونہی سہی	129
60	آنکھوں سے آنکھیں جوڑ کے خواب دونوں دیکھتے	131

61	ارزانیٔ وجود سے غم ساکن بھی نہیں	132
62	ترے خیال کی جب دل میں شمع جلتی ہے	133
63	زوالِ منظرِ شب کا اشارہ ہو رہا ہے	135
64	دیا جلا کے سپردِ ہوا نہیں کرتے	136
65	اشکوں سے دورِ جام کی تزئین کر گئے	138
66	بندھے پروں سے ہی پرواز کرنا چاہتے ہیں	140
67	آئینے میں جو نہ تھا وہ عکس کیوں اچھا لگا	142
68	یہ آنکھیں آئینہ دل کو دیا کرنا پڑے گا	143
69	کوزۂ شب نے جو تعبیر کی صدا جاری کی	145
70	فراتِ عشق پہ پہرہ لگا ہے	147
71	ایسا جل تھل ترے جانے سے تھا منظر میرا	149
72	سانس کی طرح قفسِ پیکر سے نکل کر	151
73	گلاب بن گیا تتلی دیا ستارہ ہوا	153

74	جہاں میں اجر و سزا میں تو یہ عذاب نہ ہو	155
75	مقبول بھی ہے حرف دعا رد شدہ بھی ہے	157
76	غمگین وقتوں کو بھی سب جب دیکھیں گے کھسی	159
77	یہ جو دیوار ہے ہم جانب در دیکھتے ہیں	160
78	معجزہ یہ بھی سر دست دکھایا جائے	162
79	کیا عجیب کھیل مقدر سے لگیا	164
80	اس حاصل ہستی کا اظہار کیا جائے	166
81	زندگی کیا ہے یہ احساس تو ہونے دے مجھے	167
82	تمام عمر عجب امتحان میں ہم تھے	168
83	دیے سے گرد ہوا کا حصار کھینچتے ہیں	170
84	دنیا چاہے جو بھی کہے دنیا کی پرواست کر	171
85	بساط وقت پہ وہ چال چل رہا ہوں میں	173
86	ہر طرف واسطے ہر طرف اتفاق شہر افسوس ہیں	175

لفظ آزادی سے
سقراط

○

ہے کون جو دے رہا ہے مجھ کو مقام میرا
لکھا ہے پانی سے خاک پر کس نے نام میرا

مجھے ستاروں سے حرف تحسین مل رہا ہے
یہ کس کی مٹی میں مل گیا ہے کلام میرا

میں چشم وا سے اب اس کی تکمیل کر رہا ہوں
جو خواب کل رات رہ گیا نا تمام میرا

وہیں سے میں نے سفر کیا ہے تمہاری جانب
وہ راستہ جس پہ ہو گیا اختتام میرا

عجیب وحشی مہک تھی گندم کی ورنہ محسن
نہال سدرہ سے بھی پرے تھا قیام میرا

○

انگلیاں مہکتی تھیں خامہ جگمگاتا تھا
پہلی بار جب میں نے اس کا نام لکھا تھا

اس کو بھیگتا پا کر بارشوں کے موسم میں
دیر تک ان آنکھوں سے اک دھواں سا اٹھتا تھا

گھر کے اک دریچے میں گردباد رقصاں تھی
اور ایک دروازہ پانیوں میں کھلتا تھا

کون شخص تھا جس کے صرف نام لینے سے
روح سنسناتی تھی خون جھلملاتا تھا

خود پہ پیار آیا تھا کتنی شدتوں سے جب
خود کو دوسرے میں نے پہلی بار دیکھا تھا

○

خزاں آثار شاموں کی اداسی چھا رہی ہے
طبیعت گرتے پتوں سے بہت گھبرا رہی ہے

کوئی واپس بلائے الوداعی بارشوں کو
رگِ جاں میں ہماری ریت جمتی جا رہی ہے

ادھر میں صحبتِ یاراں میں خوش رہنے لگا ہوں
کفِ افسوس پہ وہ بھی حنا مہکا رہی ہے

مرے موضوعِ دل اور تیرے حسن معذرت پر
یہ دل کی آرزو دو طرفہ ہی پچھتا رہی ہے

یہی تو رنج ہے اب خون پانی ہو گیا ہے
اسی اک بات پر یہ زندگی شرما رہی ہے

○

رائیگاں کوئی بھی منظر نہیں دیکھا جاتا
خشک آنکھوں سے سمندر نہیں دیکھا جاتا

کفِ عشاق میں قسمت کی لکیریں ہی نہیں
بازیٔ دل میں مقدر نہیں دیکھا جاتا

میں زمانے کی صدا سن تو رہا ہوں لیکن
کیا کروں مجھ سے پلٹ کر نہیں دیکھا جاتا

نارسائی کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں
عکسِ مہتاب کو چھو کر نہیں دیکھا جاتا

یاں کے لوگوں میں خزاں ایسی بسی ہے محسنؔ
ان سے اب کوئی گلِ تر نہیں دیکھا جاتا

○

یہ اور بات ہے مجھے اس کا تجربہ بھی نہیں
مگر یہ عشق تو پہلے سے طے شدہ بھی نہیں

اسی کی آنچ سے جلتی ہے انگلیاں میری
جس ایک شخص کو میں نے ابھی چھوا بھی نہیں

سب اپنی اپنی خموشی میں گوشہ گیر ہوئے
دلوں کی خیر کہ موسم کا تذکرہ بھی نہیں

محبتیں بھی ہیں گمنام نیکیوں کی طرح
مگر مجھے کسی دریا کا آسرا بھی نہیں

میں بے جواز اگر رہ گیا تو کیا شکوہ
کہ میرے پاس تو کوئی جواز تھا بھی نہیں

خود اپنا ہاتھ ہلا کر وداع خود کو کیا
عجب سفر ہے کوئی مجھ کو روکتا بھی نہیں

○

کئی دنوں سے عجب کیفیت ہماری ہے
شرارہ ذہن میں اور دل پہ برفباری ہے

جسے پسند نہیں شاخِ وقت پہ رکنا
اسی پرند کی مجھ میں اڑان جاری ہے

تمہی کو جیت لیا تم سے ہارنے کے لئے
ہمارا دل بھی عجب وضع کا جواری ہے

جہاں پہ آئے ہو تم پھول پتے چننے کے لئے
وہاں کے لوگوں کا پیشہ کمانداری ہے

کچھ اس سلیقے سے اب اس نے لی ہے انگڑائی
تھکن تمام مرے جسم میں اتاری ہے

نہ کوئی شعر نہ کوئی غزل نہ نام ترا
قلم کی نوک پہ کیسا سکوت طاری ہے

میں جھوٹ کہتا نہیں سر کی قسم کھا کر
تمہاری زلف تو زنجیر سے بھی بھاری ہے

تمہارا رنگ پھر سے بحال کرنے کو
یہ جنگ میں نے رعایت میں تم سے ہاری ہے

○

یہی ملال ہے دریا کو اپنے پانی سے
کہ بہہ رہی ہے میری تشنگی روانی سے

میں اس کا ہاتھ کسی اور ہاتھ میں دے کر
بچا رہا ہوں محبت کو رائیگانی سے

تمہارے عشق نے سانسیں بحال رکھی ہے
لگاؤ کس کو تھا ورنہ جہانِ فانی سے

اے زندگی مرا کردار جو بھی ہے لیکن
میں منتقل تو نہیں ہوں تری کہانی سے

ٹھیک ہے کہ ہیں آنکھیں بھی ناسپاس مگر
میں دربدر ہوا اس دل کی مہربانی سے

○

جو دکھائی دیتا ہے اس سے ماسوا دیکھیں
یعنی بہتے پانی پہ اپنا نقش پا دیکھیں

اور کچھ نہیں مصرف اپنی پیاسی آنکھوں کا
دشت لانہایت میں دور تک ہوا دیکھیں

رنج صبح کاذب کا اور کیا مداوا ہے؟
خواب سے نکل کر پھر کوئی خواب سا دیکھیں

طاق پر چراغوں کا سلسلہ نہیں کوئی
ہم اندھیرے کمرے میں کیسے آئینہ دیکھیں

اضطراب کی جانے کون سی یہ منزل ہے
تیرا منتظر رہ کر اپنا راستہ دیکھیں

بے اس سمندر سے موج کو کریں تنہا
آگ کے نظارے کو رنگ سے ورا دیکھیں

○

قیام میں بھی کسی راہ پہ روانہ تھا
مرا مزاج ازل سے مسافرانہ تھا

پڑا تھا اس کے بھی رخ پر نقاب ناموجود
مری بھی آنکھ پہ اک دست غائبانہ تھا

ہم اپنی روح تری جسم ہی میں چھوڑ آئے
تجھے گلے سے لگانا تو اک بہانہ تھا

ترے حصول کی بازی بھی کتنی مشکل تھی
اِدھر میں یکہ و تنہا اُدھر زمانہ تھا

میں اس کو دیکھتا رہتا تھا اسکی آنکھوں سے
خیال و خواب کا موسم بڑا سہانا تھا

○

سفر لاحاصلی کا کیا قیامت ڈھا رہا تھا
میں خود سے مل نہیں پایا سو واپس آ رہا تھا

ہوا میں گرد تو یونہی نہیں ہوتی ہے شامل
فراقِ یار میں دل خاک ہوتا جا رہا تھا

کوئی تو گوش بر آواز تھا میرے سوا بھی
میں خود سے گفتگو کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا

یہ دنیا کچھ نہیں جز رائیگانی یارِ جانی
دلیلیں دے کے یہ نکتہ کے سمجھا رہا تھا

یونہی بیٹھا نہیں تھا اپنے گھر کی سیڑھیوں پر
میں دل کو انفس و آفاق سے بہلا رہا تھا

○

ترے فراق میں دل سے نکال کر دنیا
چلا ہوں سکّے کی مانند اچھال کر دنیا

بڑھا لیا ترے داماں کی طرف اک ہاتھ
اور ایک ہاتھ سے رکھی سنبھال کر دنیا

میں اپنے حجرے میں نان و نمک پہ قانع تھا
وہ چل دیا مری جھولی میں ڈال کر دنیا

ہماری کھوج میں پھرتے ہیں انفس و آفاق
ہم ایسے دربدروں کا خیال کر دنیا

میں برق پا ہوں ابھی تک سے راستہ دے سے مجھے
میں گر پڑوں تو سے مجھے پائمال کر دنیا

تری ہتھیلی پہ تازہ ہے میرا خون ابھی
تو میری موت کا کچھ تو ملال کر دنیا

○

یہ زندگی ہے مری یا مغالطہ میرا
ہوا نہ حل کبھی مجھ سے یہ مسئلہ میرا

دیا جلانے کی تمہید سے سمجھ لینا
ہوا سے ختم ہوا ہے معاہدہ میرا

یہ روگ مجھ میں چلا آ رہا ہے بچپن سے
کھلونے توڑنا اب بھی ہے مشغلہ میرا

ہنر ملا ہے مجھے جس سے سخن طرازی کا
سمجھتا وہ بھی نہیں ہے مکالمہ میرا

رگوں میں زہرِ رقابت اتر گیا شاید
بہت ہی تلخ ہے کچھ دن سے ذائقہ میرا

کشیدہ پر نہیں ہوتے ہوا کے رخ پہ کبھی
پرندے مانتے ہیں اب بھی مشورہ میرا

مرے خلاف سہی پر مجھے خوشی ہے بہت
کہ بات کرنے لگا ہے یہ آئینہ میرا

تو بے چراغ مرے ساتھ جائے گا کیسے
کہ جنگلوں سے گزرتا ہے راستہ میرا

○

جب سے دھواں اشک سے انجان ہو گئے
ہم لوگ کھٹے سے بے سر و سامان ہو گئے

اس خوف سے کہ یاد نہ آ جائے کوئی شخص
تازہ ہوا چلی تو پریشان ہو گئے

احوال کیا سنائیں کہ نوواردانِ عشق
دستِ جنوں میں تارِ گریبان ہو گئے

چپکے سے کون وقت کی صورت گیا کہ ہم

قصرِ قدیم کی طرح ویران ہو گئے

نکلے جو خود سے تنگ گلی بن گئے تھے ہم

خود میں سمٹ گئے تو بیابان ہو گئے

○

شبِ گزشتہ عجب اک عذاب دیکھا تھا
اڑی تھی نیند مگر پھر بھی خواب دیکھا تھا

ہے میری آنکھ کے چھالے گواہ کہ میں نے
غروب ہوتا ہوا آفتاب دیکھا تھا

ستارہ وار میں گزرا تھا اس کے پہلو سے
غبارِ راہ مگر ہم رکاب دیکھا تھا

کسی کا نام نہیں تھا جو میں نے آخری بار
ورق اُلٹ کے محبت کا باب دیکھا تھا

سجے یہ لوگ سفیرِ خزاں سمجھتے ہیں
اسی کے ہاتھ میں میں نے گلاب دیکھا تھا

○

آنکھیں کھلیں کہ وا درِ زندان ہو گیا
میں روشنی کو دیکھ کے حیران ہو گیا

تجھ سے مشابہت نہیں رکھتا کوئی یہاں
اب تجھ کو بھولنا بھی تو آسان ہو گیا

اس نے کہا کہ پھول سے تتلی اڑا دیئے
اتنی سی بات پر میں پریشان ہو گیا

میں خود سے مل گیا تھا تری بازیافت میں
کیا مجھ پہ تیرے ہجر کا احسان ہو گیا

میرے تمام خواب مرے دل میں رہ گئے
میری تو ساری عمر کا نقصان ہو گیا

اب یاد بھی نہیں ہے کہ کیا فیصلہ تھا وہ
جس کے سبب میں اتنا پشیمان ہو گیا

ایسا پلٹ کہ دیکھا تھا اس نے مری طرف
پورا شکستِ ذات کا تاوان ہو گیا

حکایت شاخِ تنہا کی صبا سے کیوں نہیں کہتے
صدا سے جو بھی شکوہ ہے خدا سے کیوں نہیں کہتے

پرندے جو پروں سے منحرف بیٹھے ہیں شاخوں پر
اڑا کر ان کو لے جائے ہوا سے کیوں نہیں کہتے

یہ مٹی پر تو بن جاتا نہیں کوئی کمال ایسا
کبھی پانی پہ ٹھہرے نقشِ پا سے کیوں نہیں کہتے

ہمارے اشک کچھ تاخیر سے آتے ہیں پلکوں تک
ذرا عجلت دکھانے ابتلا سے کیوں نہیں کہتے

نصیبِ دشت میں اب چند خیموں کے سوا کیا ہے
بھلا سے رخ ذرا کل بلا سے کیوں نہیں کہتے

ستارہ توڑ کر لانا اگر ممکن نہیں محسن
تو جگنو ڈھونڈ لے بخت رسا سے کیوں نہیں کہتے

○

گردِ دنیا بھی یہاں آ کے بھٹک جاتی ہے
رہگزرِ دل کی بہت دور تلک جاتی ہے

وقت کے پار ہی اڑتی ہے وہ تتلی شاید
ڈھونڈنے جس کو گلابوں کی مہک جاتی ہے

وصل میں آتا ہے اک ایسا بھی لمحہ جس میں
جسم بجھ جاتا ہے اور رُوح چمک جاتی ہے

اور تو کچھ بھی نہیں میرے تصرف میں یہاں

پیاس ہے جو میرے پیالے سے چھلک جاتی ہے

مجھ کو اک دستِ رفاقت کا خیال آتا ہے

جب بھی چادر کسی شانے سے سرک جاتی ہے

عشق کا کوئی بھروسہ ہی نہیں ہے محسن

بجھتے بجھتے بھی تو یہ آگ بھڑک جاتی ہے

بند آنکھوں میں تیرا خواب کہاں سے آیا
طاقِ خالی پہ یہ مہتاب کہاں سے آیا

میری رگ رگ میں کسی ہار سے انکار کے بعد
نشۂ موجِ ظفریاب کہاں سے آیا

کیا مری پیاس سے کوتاہی ہوئی ہیں کوئی
میرے مشکیزے میں سیلاب کہاں سے آیا

شب کے زنداں میں میں نیند کا قیدی تھا اگر
پرتوِ صبح پسِ خواب کہاں سے آیا

میں تو صحرا کی مسافت پہ رواں تھا محسن
یہ مری راہ میں گرداب کہاں سے آیا

○

یہ ہم جو حلقۂ افسردگاں میں رہتے ہیں
فضائے کوفۂ نامہرباں میں رہتے ہیں

انہیں بھی رزقِ یقیں دے کہ فاقہ مستی میں
یہ لوگ عرصۂ وہم و گماں میں رہتے ہیں

ہم اپنے جلوۂ امروز سے فرار کے بعد
سکونِ شبِ آئندگاں میں رہتے ہیں

خفا ہے دستِ نگارِ شناس یوں بھی کہ ہم
وہ جس کی ڈور نہیں اس کماں میں رہتے ہیں

نہیں ہمارے تصرف میں شاخِ رنگ فشاں
کہ ہم بھی جادۂ عہدِ خزاں میں رہتے ہیں

○

وہی پرانی حکایت وہی کہانی ہے
مری زمین کا رنگ اب بھی آسمانی ہے

سمندروں کے عوض بھی نہ دوں گا تم کو کبھی
یہ میری مشک مری پیاس کی نشانی ہے

ہم آسمان کو چھونے کا شوق رکھتے ہیں
ہمارے دل میں پرندوں سی خوش گمانی ہے

مجھے ہواؤں سے کرنا پڑے گا سمجھوتہ
کہ میرے پاس جو کشتی ہے بادبانی ہے

خود اپنے ہاتھ میں تیشہ سنبھالنا ہے مجھے
خود اپنی راہ میں دیوار بھی اٹھانی ہے

حصارِ جبر کا پابند میں نہیں محسنؔ
فراتِ وقت سے آگے مری روانی ہے

○

پسِ غبار و سرِ شام سفر میں بھی نہیں
وہ میرے بخت کا تارا یہاں کہیں بھی نہیں

کریں گے کیا ترے خانہ بدوش سوچتے ہیں
کہ اب تو خیمہ کشی کے لئے زمیں بھی نہیں

یہ اعتراف ہے کیا میرے تیکھے لہجے میں
وہ شخص کتنا حسیں ہے مگر حسیں بھی نہیں

خلا کو تکتے ہوئے آج یہ خیال آیا
اب آسماں میں وہ سحرِ نیلمیں بھی نہیں

میں اک گناہ کی تکمیل کرنے والا ہوں
مرا ضمیر مگر مجھ پہ نکتہ چیں بھی نہیں

قلم ہے بارِ امانت سے مضمحل ممن
اور ایک کاغذِ خالی ہے جو امیں بھی نہیں

○

کیا عجب راز آشکار کیا
ڈوب کر تجھ میں خود کو پار کیا

ایک ذرے سے دشت دی ترتیب
ایک کوزے کو آبشار کیا

کھول کر بادبان صحرا میں
پھر سمندر کو سوگوار کیا

خواب پہ تم نہ لا سکے ایماں
وہم پہ میں نے اعتبار کیا

جب بھی صحرا کی آنکھ سے دیکھا
اس نے دریا کو بھی غبار کیا

اک ستارے کی بازیابی میں
اک دیئے کو شریکِ کار کیا

ایک لمحے کے حسن کی خاطر
عشق میں نے زمانہ وار کیا

آئینہ وار دیکھتے ہیں اُسے
چل مرے یار دیکھتے ہیں اُسے

تیر جو جسم میں اُتر نہ سکا
روح کے پار دیکھتے ہیں اُسے

نگہِ اوّلیں سے چل مرے دل
آخری بار دیکھتے ہیں اُسے

ہے جو آنکھوں کے اُس کنارے پہ
دل کے اُس پار دیکھتے ہیں اُسے

ٹھہرے پانی میں پھینک کر پتھر
دائرہ وار دیکھتے ہیں اُسے

ڈھونڈتے ہیں صلیب پر اس کو
یا سرِ دار دیکھتے ہیں اُسے

○

بے ارادہ ٹہنی سے پھول توڑ کر میں نے
پھر اسے رکھا یونہی فرش خاک پر میں نے

رقص کرنے لگتا ہے مجھ میں کوئی پابستہ
جب کبھی اٹھائی ہے اس طرف نظر میں نے

دیکھئے کہ ہوتا ہے کیسے مائل پرواز
خاک میں دبایا ہے اک شکستہ پر میں نے

اب کسی مسافت کا حوصلہ نہیں دل میں
اپنے ساتھ لے آیا گھر میں رہ گزر میں نے

سر تمہارے زانو پر رکھ کے صبح ہونے تک
ایک رات کاٹی ہے وقت سے اُدھر میں نے

○

ستارہ تھا نظر میں شام سے پہلے نہیں آیا
وہ اک حرفِ یقیں اوہام سے پہلے نہیں آیا

ہمارے شہر کی بس اک یہی اچھی روایت ہے
کہ پتھر صحن میں الزام سے پہلے نہیں آیا

میں آدھی قیمتوں میں اس کو اپنے خواب دے دیتا
مگر وہ شہر میں نیلام سے پہلے نہیں آیا

یہ آنکھیں جا نہ پائیں تیرے خد و خال سے آگے
زباں پر کچھ بھی ترے نام سے پہلے نہیں آیا

کیا ہے جب کسی بھی کام کا آغاز تو محسن
پلٹ کر میں کبھی انجام سے پہلے نہیں آیا

○

اس سے اک شام ملاقات کا وعدہ لینا
اتنا آسان نہیں وقت سے ہدیہ لینا

کارِ دنیا بھی عجب کھیل ہے اور دوست ہمیں
کبھی آیا نہیں اس کھیل میں حصہ لینا

اب تو قسمت میں نہیں ہے وہ ستارہ گردی
شام ہونے کو ہے اب گھر ہی کا رستہ لینا

نارسائی مرے ہونٹوں کی یہی کہتی ہے
کارِ دشوار ہے مہتاب کا بوسہ لینا

وہ نہیں بھیجتا محسن تو اداسی کیسی
خود اپنے تم اپنے لیے اب کوئی تحفہ لینا

○

سخن کو دسترس سے ماورا ہونے نہیں دینا
مجھے خاموشیوں میں مبتلا ہونے نہیں دینا

میں جس کے قرب میں محسوس کرتا ہوں تیری خوشبو
مرے معبود اس کو بے وفا ہونے نہیں دینا

ان آنکھوں کی تسلی کو تو آنسو ل ہی جائیں گے
شکستِ خواب پہ یہ دل برا ہونے نہیں دینا

ستارے ٹوٹتے رہتے ہیں اکثر شام سے پہلے
ذرا سی بات کو اب واقعہ ہونے نہیں دینا

اگر ہونٹوں کو جلنے سے بچانا چاہتے ہو تم
کبھی لفظ محبت کو ادا ہونے نہیں دینا

○

یہ جو خاموش ہوں میں عالمِ حیرانی میں
عکسِ صحرا نظر آیا ہے مجھے پانی میں

اپنے بچپن کی تگ و تاز بھلانے کے لیے
دیکھتا ہوں کسی تتلی کو پریشانی میں

ساحلِ صبح پہ آخر تو مری آنکھ کھلی
رات ڈوبا تھا میں اک خواب کی طغیانی میں

کہیں عجلت میں نہ رکھ دوں تیری قدموں میں اسے
مضطرب ہے کوئی سجدہ میری پیشانی میں

نام آتا ہے میرا بھی انہی لوگوں میں کہ جو
گھر سے نکلے ہی نہیں شوق جانبانی میں

○

عشق کے باب میں، ہم کو یہ رعایت نہ ملی
آج دل سے نہ دیا آنکھ سے اجرت نہ ملی

ہم نے کوشش تو نبھانے کی بہت کی لیکن
جانے کیا بات تھی دنیا سے طبیعت نہ ملی

کس کو بتلائیں پشیمانی خریداروں کی
بولی ہر بار لگی پر کبھی قیمت نہ ملی

-

اس طرح ہار گئے تھے کہ زمانے سے کبھی
ہم کو اظہارِ ندامت کی بھی مہلت نہ ملی

برگ باری کا ہی منظر تھا یہاں ساری عمر
نئے موسم کی کبھی ہم کو بشارت نہ ملی

○

حرفِ الزام بنوں یا کہ دُعا ہو جاؤں
کاش میں بھی تیرے ہونٹوں سے ادا ہو جاؤں

ڈھونڈ لینا تو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو
بے خیالی میں اگر تجھ سے جدا ہو جاؤں

میرے چہرے میں ہویدا ہو تری ہی صورت
تو سے مجھے دیکھے میں آئینہ نما ہو جاؤں

اے پرندو! اے ہواؤں کے نگہدار کبھی
اپنے زندان سے میں بھی تو رہا ہو جاؤں

تو خموشی سے مرے ضبط پہ مامور رہے
میں قیامت کی طرح تجھ میں بپا ہو جاؤں

ایسی افتاد پڑی ہے کہ میں اب چاہتا ہوں
بس ترا نام لکھوں اور فنا ہو جاؤں

اب تو درپیش ہے اک ایسی مسافت جس میں
بیٹھے بیٹھے میں یونہی آبلہ پا ہو جاؤں

○

مثالِ بوئے گلِ یاسمیں یہ تم تو نہیں
کھلا ہوا مرے دل میں کہیں یہ تم تو نہیں

نہیں یہ میں تو نہیں، ہوں کنارِ آبِ رواں
جمالِ عکسِ مہِ تہہ نشیں یہ تم تو نہیں

مری بیاض سے مصرعے نکالتا ہے کون؟
ہے میرے ذہن میں جو نکتہ چیں یہ تم تو نہیں

نواحِ جاں میں کئی دن کی بارشوں کے بعد
دھنک بنی ہے جو مجھ میں کہیں یہ تم تو نہیں

لہو میں چاپ ابھرتی ہے کس کے آنے کی
رگِ گلو سے بھی اتنے قریں یہ تم تو نہیں

شباہتوں کا سفر بھی عجیب ہے محسن
ہر آدمی پہ گماں ہے کہیں یہ تم تو نہیں

○

کوفۂ عشق میں کچھ ایسی اطاعت کرتے
اپنے اشکوں سے تری آنکھ پہ بیعت کرتے

کس کے پہلو میں ہوئی جاتی ہے باسی اتنی
تیری خوشبو نظر آتی تو شکایت کرتے

خاکِ انکار اڑاتے ہیں بہ اندازِ ثبات
عمر گزری ہے اسی رنگ میں وحشت کرتے

تیری آنکھوں سے ترے دل میں اتر جاتا تھا
طے مگر کیسے یہ پُر پیچ مسافت کرتے

دوست دشمن نہیں بن جاتے اگر ہم محسن
شاعری چھوڑ کے چکی کی مشقت کرتے

○

سرد بازاری دنیا سے شکایت کیسی
خواب ہی بیچنے آئے ہو تو قیمت کیسی

جب اُسے چھو نہ سکا خود کو یہی سمجھایا
جسم ہی شرط ہو جس کی وہ محبت کیسی

جو ہوا جب بھی ہوا جیسا ہوا ٹھیک ہوا
عشق کے باب میں اے دوست وضاحت کیسی

تجھ میں اور مجھ میں جو قائم ہے بنامِ دنیا
ایک دیرینہ سا دھوکہ ہے رفاقت کیسی

ایک بھی تیر نہ ترکش میں دھرا رہ جائے
دشمنی کی ہے تو پھر اس میں رعایت کیسی

○

وجود میرا زخم اندمال ایک شخص تھا
میں جس کو لکھ رہا تھا وہ خیال ایک شخص تھا

عجیب کشمکش سی تھی اس امتحان عشق میں
جواب ایک شخص تھا سوال ایک شخص تھا

میں اس کے جھوٹ پر بھی اعتراض کر نہیں سکا
یہ بات سچ ہے زندگی کمال ایک شخص تھا

پھر اس کے بعد جو ملا نباہ میں نہ کر سکا
میں کیا کروں کہ میرے حسبِ حال ایک شخص تھا

اے اشتباہ روز و شب ہو تجھ سے کیا معاملہ
کہ میری عمر بھر کا احتمال ایک شخص تھا

ہوائے شام تجھ کو کیا بتائیں اپنی سرخوشی
جو دل پہ چھا گیا تھا وہ ملال ایک شخص تھا

○

ڈوب جانے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا
اس کی آنکھوں کے سمندر کا کنارا ہی نہ تھا

اچھے لوگوں کے لیے بند کتابوں کے لیے
شاخ سے ہم نے کوئی پھول اتارا ہی نہ تھا

شہر افسوس سے جب کوچ کی ساعت آئی
دے کے آواز ہمیں کوئی پکارا ہی نہ تھا

سیکھتے کس سے بھلا آگ چرانے کا ہنر
زندگی تیرے تصرف میں شرارہ ہی نہ تھا

ہم اگر دل نہ جلاتے تو بتا کیا کرتے؟
شامِ ہجراں تری مٹھی میں ستارہ ہی نہ تھا

○

پرند بھرتے ہیں کیسے اڑان دیکھ تو لوں
میں بند کھڑکی سے یہ آسمان دیکھ تو لوں

مُخل ہوا ہے یہ کس کا وجود ناموجود
ہے کون تیرے مرے درمیان دیکھ تو لوں

ہے کون میرا خریدار کون سوداگر
میں بِک رہا ہوں جہاں وہ دُکان دیکھ تو لوں

جو ملنے والے ہیں ان کا شمار بارِ دیگر
جو زخم بھر گئے اُن کے نشان دیکھ تو لوں

حلیف کس طرح بن جاتا ہے حریف اپنا
نگاہِ تیر سے سوئے کمان دیکھ تو لوں

○

تمہارے ذات میں کچھ مبتلا تو میں بھی ہوں
کہ صرف تم ہی نہیں بے وفا تو میں بھی ہوں

یہ انتظار ہے کس کا یہ اضطراب ہے کیوں
چراغ جلتے یہی سوچتا تو میں بھی ہوں

ہزار شکر کہ چہرے کا رنگ اترتا نہیں
قدم قدم پہ یہاں ہارتا تو میں بھی ہوں

ذرا سی ٹھیس لگے تو اک آئینے کی طرح
صدا نہ آئے مگر ٹوٹتا تو میں بھی ہوں

یہ اور بات کہ کوئی منانے والا نہیں
خود اپنے آپ سے یوں روٹھتا تو میں بھی ہوں

بتاؤں کیا میں محبت کے باب میں محسنؔ
یہ لفظ جھوٹ سہی بولتا تو میں بھی ہوں

○

اک نئے درد کا امکان بھی ہو سکتا ہے
دل تو خوشیوں سے پریشان بھی ہو سکتا ہے

ایک ہی ہاتھ میں پتھر بھی ہے آئینہ بھی
اس تعلق میں تو نقصان بھی ہو سکتا ہے

یہ جو اک اشک لرزتا ہے مری پلکوں پر
سات دریاؤں کا عنوان بھی ہو سکتا ہے

دل سے کچھ ٹوٹتے رہنے کی صدا آتی ہے
جانِ من تیرا پیماں بھی ہو سکتا ہے

گھر کے دروازے پہ دستک سی ہوئی ہے محسن
یہ ہوا ہی نہیں مہماں بھی ہو سکتا ہے

○

اپنے ہی باب میں نقصان بہت کرتے ہیں
میزبانی مرے مہمان بہت کرتے ہیں

اشک زخماتے ہیں کرچی کی طرح آنکھوں کو
ہم تری یاد میں نقصان بہت کرتے ہیں

نیند میں ان سے کبھی راز کو افشا کر کے
جاگنے والوں کو حیران بہت کرتے ہیں

لوٹ کر آتے نہیں وہ کبھی آنسو کی طرح
لوٹ کے آنے کے جو پیمان بہت کرتے ہیں

روز ملتے ہیں اسی سے جو مقدر میں نہیں
ہم مقدر کو پریشان بہت کرتے ہیں

○

اندر کی خامشی کی گرہ کھولتے نہیں
اب لوگ اپنے آپ سے بھی بولتے نہیں

جن کو نشیب ہی میں ملے رزق وہ کبھی
اونچی اڑان کے لیے پر تولتے نہیں

دشمن بھی سازگار ہیں ہم کو سو اس لیے
اپنے لہو میں زہر کبھی گھولتے نہیں

خاموشیوں نے چھین لی ہم سے کلیدِ حرف
مجبور ہیں سو قفلِ زباں کھولتے نہیں

○

سفر کی ایک اور سمت پا کر چلا گیا ہوں
میں اپنا بارِ غبار اٹھا کر چلا گیا ہوں

مرے سوا خیمہ گاہ میں کوئی بھی نہیں تھا
میں آپ اپنا دیا بجھا کر چلا گیا ہوں

سزا کی خاطر مجھے بلا لے تو اُس کی مرضی
میں جرم اپنا اسے بتا کر چلا گیا ہوں

تبر سے تم اس پہ وار کرنا جو یاد آؤں
میں پیڑ پہ نقشِ دل بنا کر چلا گیا ہوں

تم اپنے چہرے کی تیرگی سے حذر ذرا کرنا
میں آئینے میں دیا جلا کر چلا گیا ہوں

○

سرابوں سے خمارِ تشنگی مدھم نہیں ہوتا
سمندر لکھ رہا ہوں اور کاغذ نم نہیں ہوتا

عجب ہے دھوپ کا یہ بوجھ بھی اب شام ہونے تک
بڑھے دیوار پہ جتنا بھی سایہ خم نہیں ہوتا

ہے شرطِ اولیں دنیا کو تج کر مسکرا دینا
ہر اک نروان کا خواہاں کبھی گوتم نہیں ہوتا

خزاں میں بس ذرا اندیشہ بڑھ جاتا ہے ہجراں کا
شکستِ دل کا ویسے تو کوئی موسم نہیں ہوتا

در و دیوار سے ہوتی ہے پیہم گفتگو محسن
مگر دل پر اک ایسا بوجھ ہے جو کم نہیں ہوتا

○

اس کو بھلا کے خوش بھی پشیمان بھی نہیں
حیرت کی بات ہے کہ میں حیران بھی نہیں

دل کے معاملے میں نہ دنیا کو کر شریک
ورنہ پھر استغاثے کا امکان بھی نہیں

جانے کہاں بساط الٹ جائے عشق کی
یہ کھیل کھیلنا کوئی آسان بھی نہیں

اک آئینہ ہے چند کتابیں اور اک چراغ
تیرا غریب بے سر و سامان بھی نہیں

بس یونہی انتظار کی عادت سی پڑ گئی
ورنہ کسی سے وعدہ و پیمان بھی نہیں

○

درونِ جسم جب اندھیرا چھانے لگتا ہے
کوئی چراغ سا مجھ میں جلانے لگتا ہے

نہیں ہے ناؤ بنانے کا تجربہ جس کو
وہ کاغذوں سے سمندر بنانے لگتا ہے

دھنک سے جب کبھی بڑھتی ہے دشمنی اس کی
وہ تتلیوں کے پروں کو جلانے لگتا ہے

وہ نقش جس کے ابھی ہونٹ نامکمل ہیں
وہ خامشی میں بہت گنگنانے لگتا ہے

عجیب شخص ہے جب بے دلی پہ آتا ہے
تو دانے سے چہکتے پرندے اڑانے لگتا ہے

کبھی میں اپنا تماشا جو دیکھنا چاہوں
وہ میری آنکھ پہ پردہ گرانے لگتا ہے

عجب طلسم ہے اس بے چراغ آنگن میں
اندھیرا آکے جہاں جگمگانے لگتا ہے

○

اُجرت عشق تھے قطروں میں ادا ہو گئے، ہم
اُس کفِ دست پہ ہمرنگ حنا ہو گئے، ہم

صرف صحرا کی مسافت پہ ہی موقوف نہیں
سفرِ آب میں بھی آبلہ پا ہو گئے ہم

ہو گیا جب تری تصویر سے اک ربطِ سخن
خود کلامی کی مشقت سے رہا ہو گئے، ہم

آگیا بیچ میں جانے یہ زمانہ کیسے
خود سے ملنے کو جب آغوش کشا ہو گئے، ہم

جانے کس بات پہ موجوں نے پذیرائی نہ کی
جانے کس بات پہ دریا سے خفا ہو گئے، ہم

○

کیسے خیموں پہ کھلے باب خبر پانی کا
ایک مشکیزے میں ساکت ہے سفر پانی کا

اپنی ہی پیاس سے سیراب رہا کرتا ہوں
میری مٹی میں ہے پوشیدہ ہنر پانی کا

گر بہادوں تو ہو یہ سات سمندر بھی خجل
تنگئ کوزہ سے اندازہ نہ کر پانی کا

کس طرح یاد تیری دل سے نکالی جائے
کیسے دریا سے جدا ہو یہ سفر پانی کا

ذکر دریا سے وہ ہو جاتے ہیں مغموم جنہیں
آج بھی یاد ہے اک جرم سفر پانی کا

○

آسمانوں کو سکوں اس کو بجھانے سے ملا
وہ ستارا جو مجھے خاک اڑانے سے ملا

بے رخی ہو تری یا لقمۂ یک نانِ جویں
ہم نے رکھا ہی نہیں جو بھی زمانے سے ملا

اپنی حیرت کے سوا اپنے تأسف کے سوا
ایک پتھر بھی مجھے آئینہ خانے سے ملا

تم سے ملنے کی تمنا تو بہت تھی لیکن
آٹھواں دن نہ مگر مجھ کو زمانے سے ملا

بھول پایا نہ میں دنیا سے گلے لگ کر بھی
وہ جو اک زخم ترا ہاتھ چھڑانے سے ملا

○

گلدان کی مسند کی طرف دیکھ رہا ہے
وہ پھول جو خاشاک کے حلقے میں کھلا ہے

آنکھوں کی گلی میں کوئی آوارہ سا آنسو
پلکوں سے ترے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے

جو حسبِ روایت ہے وہی کام ہوا ہے
دل بھی ترے وعدے کی طرح ٹوٹ گیا ہے

وہ لطف تصادم کا طلبگار ہے شاید
ہاتھوں میں دیا لے کے جو بارش میں کھڑا ہے

کیوں ہم نے زمانے سے شکایت نہیں رکھی
اس کا بھی بہت ہم سے زمانے کو گلہ ہے

○

شکستِ خواب کا نوحہ لبوں پہ لاتے ہوئے
وہ شام ہوتے ہی رو دیا دیا بجھاتے ہوئے

نکل گئے تھے بہت دور بے خیالی میں
ہم اپنے آپ کو اک راستہ دکھاتے ہوئے

خود اپنے مدِ مقابل لہولہان ہوا
میں اپنے وار سے اس شخص کو بچاتے ہوئے

طیورِ خاک پہ روزی کے واسطے اترے
پروں میں سات سماوات کو چھپاتے ہوئے

ہم اپنے لقمۂ تر کے نشے میں بھول گئے
کہ کون رہ گیا بھوکا دیا بجھاتے ہوئے

نہ جانے کتنے ہی وعدوں سے انحراف کیا
میں ایک بھولے ہوئے عہد کو نبھاتے ہوئے

جو شخص قائلِ تقدیر ہی نہیں محسن
وہ کل ملا تھا مجھے زائچہ بناتے ہوئے

○

رائیگانی کی یہی مجھ کو سزا دی گئی ہے
میں وہ دیوار جو صحرا میں اٹھا دی گئی ہے

خاک اڑتی ہے مرے دل کے نہاں خانے میں
آتشِ عمرِ تر جب سے بجھا دی گئی ہے

موجزن سات سمندر ہیں مرے سینے میں
پیاس پینے کی یہی مجھ کو جزا دی گئی ہے

جس کی آنکھیں ہیں نہ چہرہ نہ خدوخال کوئی
سات پردوں میں وہ تصویر بنادی گئی ہے

تیرے دریا کی روانی بھی عجب ہے محسنؔ
کہ بلندی کی طرف موج بہادی گئی ہے

○

سمندروں کی مسافتوں سے گزر رہا ہوں
میں اسکی آنکھوں میں خواب دریافت کر رہا ہوں

بس ایک بے نام سا تسلسل ہے روز و شب کا
خبر نہیں ہے میں جی رہا ہوں کہ مر رہا ہوں

لرزتے ہونٹوں سے ایک بوسے کے فاصلے پر
خیال میں بھی میں تجھ کو چھونے سے ڈر رہا ہوں

تمہیں تو پھیکا لگا ہے یہ شہد زندگی کا
مجھے بھی دیکھو نمک سے زخموں کو بھر رہا ہوں

بدل رہا ہوں روایتِ انتظار یکسر
مین اپنی آنکھیں تمہاری چوکھٹ پہ دھر رہا ہوں

یہ کون مجھ کو نشانہ کرتا ہے روز محسن
میں ہر گھڑی اپنے خون میں تر بتر رہا ہوں

یہ آرزو تو نہیں ہے کہ مجھ کو تو مل جائے
یہی بہت ہے کوئی تجھ سا ہو بہو مل جائے

تلاش کریں رنگِ حنا اسے چشمِ جنوں
یہیں کہیں پہ ہی شاید میرا لہو مل جائے

دھری ہے طاق میں تصویر اک پرانی سی
اسی سے اب کوئی موضوعِ گفتگو مل جائے

ہے التوا میں کوئی پھول شاخ کے اندر
کھلے گا وہ بھی اگر تھوڑی سی نمو مل جائے

میں اپنی سمت چلا آ رہا ہوں مدت سے
برا ہی کیا ہے اگر راستے میں تو مل جائے

○

اسیرِ خواب کی تعبیر لے کے آیا ہوں
اٹھا کے ہاتھ میں زنجیر لے کے آیا ہوں

یہیں اٹھانی پڑے گی مجھے کوئی دیوار
میں دشت میں تری تصویر لے کے آیا ہوں

چلا تھا اس کی طرف ہاتھ میں گلاب لیے
پلٹ کے سینے پہ اک تیر لے کے آیا ہوں

یہ رنگ و بو کا ہے اسلوب پڑھ سکو تو پڑھو
ہوا کے صفحے پہ تحریر لے کے آیا ہوں

○

یہ کرن سی جو میری روح میں لہرائی ہے
صبح میں لپٹی ہوئی یاد تری آئی ہے

گفتگو جس سے میں کرتا ہوں ترے بارے میں
وہ کوئی اور نہیں ہے مری تنہائی ہے

مجھ کو خوش وقتی کا طعنہ نہیں دینا کہ مری
شام سرما کی اداسی سے شناسائی ہے

اور کیا شہرِ سخن فہم سے ہو مجھ کو گلہ
خالی کاغذ میرے شعروں کی پذیرائی ہے

پی کے دیکھوں تو کھلے رازِ تجسس محسنؔ
زہر ہے یہ میرے پیالے میں کہ سچائی ہے

○

حدِ یقیں سے ورا واقعہ ہی ایسا تھا
جلا ہوا سے کہ میرا دیا ہی ایسا تھا

کئی زمانے لگے اس کو دل بنانے میں
ہمارے سینے میں اک آبلہ ہی ایسا تھا

میں بے خودی میں بھلا نہ بیٹھا ساری دنیا کو
تری گلی کی ہوا میں نشہ ہی ایسا تھا

مری تلاش میں تم سرگراں نہیں رہنا
ملا نہ خود کو بھی، میں گمشدہ ہی ایسا تھا

وجود اس کا بھی اشکوں میں ڈھل گیا سارا
میں اس کے سامنے محسن ہنسا ہی ایسا تھا

○

کس قدر رنج سے یہ کارِ زیاں کھینچتے ہیں
اپنے دشمن کی طرف خالی کماں کھینچتے ہیں

پوچھتا ہے جو کوئی، ہم نے کبھی حاصلِ خواب
خاک کا نقش سرِ آبِ رواں کھینچتے ہیں

ہم تو بس ہیں نمکِ خواب کے مزدور یہاں
رزق کا بوجھ مری جاں دگراں کھینچتے ہیں

جس میں شامل ترے لباس کی خوشبو ہے بہت
وہی جھونکے تو ہماری رگِ جاں سے کھینچتے ہیں

جب بھی صحراؤں میں پھرتی ہیں بگولوں کی طرح
اپنی تنگی کی طرف ہم کو مکاں سے کھینچتے ہیں

○

میں فتح مند رہوں یا کہ مات ہو جائے
کسی حوالے سے تکمیل ذات ہو جائے

میں اپنے آپ کو راضی کروں گا ہنسنے پر
بس ایک بار کبھی خود سے بات ہو جائے

کلی کو جس پہ تبسم کا وقت ہی نہ ملے
کچھ ایسا عشق میرا بے ثبات ہو جائے

پھر اس سے اچھا ہے کارِ جہاں کو نمٹائیں
محبتوں میں اگر احتیاط ہو جائے

سہے گا کون جلی انگلیوں سے زخم اگر
چراغ بھی نہ جلے اور رات ہو جائے

○

خوش لباسی کے تصور میں بھی عریاں ہونا
آگیا ہے مجھے بے وجہ پریشاں ہونا

ہے کسی کور مصور کی اذیت سے سوا
کسی تصویر سے رنگوں کا گریزاں ہونا

کتنا دشوار ہے یہ مرحلۂ وحشتِ جاں
اپنے سائے سے مرا دست و گریباں ہونا

دیکھنا وہ تری آنکھوں کے فلک کی جانب
دل میں پھر ایک پرندے کا پرافشاں ہونا

کسی بوڑھے کو کھلونوں سے بہلتا پا کر
ننھے بچے کا وہ انگشت بہ دنداں ہونا

○

نیند بھی کارِ مشقت ہے چلو یونہی سہی
خواب ان آنکھوں کی اجرت ہے چلو یونہی سہی

جھیلنا اس کو بھی ہے خود کو بسر کرنے کے بعد
زندگی دُہری اذیت ہے چلو یونہی سہی

اک تعلق چاہیے مجھ کو بھی شکوے کے لیے
اس کو بھی مجھ سے شکایت ہے چلو یونہی سہی

جو کشش میرے لیے تھی اب نہیں باقی تو کیا
وہ ابھی تک خوبصورت ہے چلو یونہی سہی

مصرعۂ تر کے لیے تانِ شبینہ ہے گئے
شاعری بھی اک ضرورت ہے چلو یونہی سہی

○

آنکھوں سے آنکھیں جوڑ کر اک خواب دونوں دیکھتے
ارمان تھا اک شب سی مہتاب دونوں دیکھتے

مجبور تھا میں کس قدر اور بے بسی تیری تھی کیا
مل بیٹھ کر اس ہجر کے اسباب دونوں دیکھتے

شام زمستاں میں بجھی مٹھی میں چنگاری لیے
سے چلتے برہنہ پا یونہی برفاب دونوں دیکھتے

○

ارزانیٔ وجود سے غمناک بھی نہیں
قیمت جو پوچھیے تو میری خاک بھی نہیں

عمریں گزر رہی ہیں محبت سے بے خبر
لوگوں کو اس خسارے کا ادراک بھی نہیں

دھوکے میں آتے رہتے ہیں ہم جان بوجھ کے
ورنہ زمانہ اتنا تو چالاک بھی نہیں

آنسو ٹپک رہے ہیں مری روح پہ مگر
پلکوں کو چھو کے دیکھو تو نمناک بھی نہیں

○

ترے خیال کی جب دل میں شمع جلتی ہے
تو مجھ میں جیسے کوئی برف سی پگھلتی ہے

تو آس پاس ہے لیکن تجھے تلاشنے کو
یہ زندگی تو بہت دُور جا نکلتی ہے

دیا جلانے کی مہلت ہی مل نہیں پاتی
ہوائے شام عجب زاویے بدلتی ہے

چلو ستارۂ ہجراں سے پوچھ لیتے ہیں
یہ رات کٹتی ہے یا اپنی عمر ڈھلتی ہے

وہ اپنے گھر میں ہی لیکن اس کی پرچھائیں
روش روش پہ میرے ساتھ ساتھ چلتی ہے

○

زوالِ منظرِ شب کا اشارہ ہو رہا ہے
چراغ آہستہ آہستہ ستارا ہو رہا ہے

کئی دن سے کسی کی یاد بھی ہے التوا میں
کئی دن سے خسارے پر خسارا ہو رہا ہے

○

دیا جلا کے سپردِ ہوا نہیں کرتے
محبتوں میں کبھی مشورہ نہیں کرتے

شجر کی دل شکنی بھی تو جرم ہے سو ہم
کبھی بھی شاخ سے پتہ جدا نہیں کرتے

خود اپنی خاک سے رہتے ہیں برسرِ پیکار
کسی کی گرد کو ہم آئینہ نہیں کرتے

برس گزر گئے اپنے دیئے بجھائے ہوئے
ہوا کی چاپ سے اب ہم ڈرا نہیں کرتے

کشید کرتے ہیں دریا خود اپنے ہاتھوں سے
کسی کے کوزے سے پانی پیا نہیں کرتے

مفاہمت ہے ازل سے سرشت میں اپنی
سو دشمنی کی کبھی ابتدا نہیں کرتے

یہ ساحلوں کی ہوا بے لحاظ ہے محسن
سمندروں کے کنارے رہا نہیں کرتے

اشکوں سے دورِ جام کی تزئین کر گئے
ہم ذائقۂ شراب کا نمکین کر گئے

مصرعہ جو زندگی کا ادھورا لگا ہمیں
چپکے سے تیری یاد کو تضمین کر گئے

زندہ دلی کے جرم کی ایسی سزا ملی
ہم خود کو قہقہوں سے ہی غمگین کر گئے

ہم سوگوار لوگ گناہوں کی خاک میں
اپنے جواں ضمیر کی تدفین کر گئے

منت کشِ نجوم رہے کتنی دیر تک
ہم آج اپنے بخت کی توہین کر گئے

○

بندھے پروں سے ہی پرواز کرنا چاہتے ہیں
ہم اپنے عجز کو اعجاز کرنا چاہتے ہیں

لہو رگوں سے اچھلتا نہیں ہے آنکھوں تک
سو کارِ عشق کا آغاز کرنا چاہتے ہیں

رویہ اہل جہاں کا ہے تاجرانہ اگر
ہم اپنے خواب پس انداز کرنا چاہتے ہیں

جنہیں چراغ جلا کر دیا تھا میں نے کبھی
وہی سے مجھے نظر انداز کرنا چاہتے ہیں

بھلا سے حرف ملے یا نہیں ملے کوئی
ہم اپنی چپ کو سخن ساز کرنا چاہتے ہیں

○

آئینے میں جو نہ تھا وہ عکس کیوں اچھا لگا
مجھ کو ساری زندگی اک شخص کیوں اچھا لگا

کیا بتاؤں زندگی کی بے ثباتی پر مجھے
تیرے ہونٹوں کی ہنسی کا درس کیوں اچھا لگا

نرگسِ وا چشم کی خاموشیوں سے پوچھ لو
دھڑکنوں کی دھن پہ دل کا رقص کیوں اچھا لگا

تھیں بہت سی خوبیاں بھی میرے دشمن میں مگر
کیا بتاؤں مجھ کو اس کا نقص کیوں اچھا لگا

یہ آنکھیں آئینہ دل کو دیا کرنا پڑے گا
غزل میں یوں بھی اُس کا تذکرہ کرنا پڑے گا

میں اس کا نام لوں اور لب پہ تتلی آن بیٹھے
محبت میں اک ایسا معجزہ کرنا پڑے گا

مراسم میں تصادم کا یہی اک راستہ ہے
شکایت کرنے والوں سے گلہ کرنا پڑے گا

میری زندہ دلی پر تہمتیں سی لگنے لگی ہیں
بحال اب آنسوؤں کا سلسلہ کرنا پڑے گا

یہی عالم رہا گر بے دلی کا اور کچھ دن
تو کارِ عشق بھی دل سے کے بنا کرنا پڑے گا

ہوا کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرنا ہے تو پھر
غبارِ رہ گزر کو راستہ کرنا پڑے گا

○

کوزۂ شب نے جو تعبیر کی حد جاری کی
میں نے جلتے ہوئے خوابوں کی عزاداری کی

وقت نے اس کے مقدر میں لکھی تاریکی
جس نے چڑھتے ہوئے سورج کی طرف داری کی

دل دھڑکنے پہ مصر تھا سو دھڑکتا ہی گیا
لمحۂ دید کی آنکھوں نے نگہ داری کی

طاقِ ہر چشم پہ خوابوں کے دِیے بجھ سے گئے
کچھ ہوا ایسی چلی شہر میں بیداری کی

سکھ کا کردار نبھانے کے لیے عمر تمام
میں نے روتی ہوئی آنکھوں سے اداکاری کی

فرازِ عشق پر پہرہ لگا ہے
مرا احساس پیاسا رہ گیا ہے

فریبِ عشق سے یاد ابھرے ہے
مجھے وہ آج اپنا لگ رہا ہے

ہے تا حدِ نظر ہر چیز خاموش
مگر پہلو میں ہنگامہ بپا ہے

ترا ملنا ادھورا حادثہ تھا
بچھڑ جانا مکمل المیہ ہے

نہ جانے کس گھڑی وہ مجھ کو چھوڑے
یہ دکھ اک بوجھ بنتا جا رہا ہے

سنو یہ بے قراری کس کی خاطر
کہو کچھ تم کو مجھ سے پوچھنا ہے

وہ اک لمحہ جسے کہتے ہیں قربت
اسی لمحے کا ہم میں فاصلہ ہے

خداوندا کوئی پیمانۂ وصل
مجھے اک ہجر کا قد ناپنا ہے

تری آنکھیں دہائی دے رہی ہیں
ترے اندر کوئی خیمہ جلا ہے

میں اپنی سوچ سے محوِ تکلم
وہ میرے پاس تنہا رہ گیا ہے

فریبِ دوستی کے بعد محسن
سرابِ دشمنی کا سامنا ہے

○

ایسا جل تھل ترے جانے سے تھا منظر میرا
جیسے اشکوں سے بنایا ہو یہ پیکر میرا

ایک ذرے پہ لکھی ہے مرے صحرا کی کتھا
ایک ہی لہر میں سمٹا ہے سمندر میرا

جانے پیغام خیموں سے ملا تھا کیسے
ڈٹ گیا میرے مقابل میں ہی لشکر میرا

میں اسے ڈھونڈنے نکلا تھا مگر عجلت میں
رہ گیا ہے کہیں رستے میں مقدر میرا

رکھ دیا ہے کسی شیشے کی دکان پر محسن
اس نے چہرہ کسی پتھر پہ بنا کر میرا

○

سائے کی طرح قبضۂ پیکر سے نکل کر
وہ شخص گیا میرے برابر سے نکل کر

سورج کا طرف دار ہوا میرا مخالف
اک موم کا پیادہ مرے لشکر سے نکل کر

مجھ کو بھی کوئی چھوڑ گیا شہر میں تنہا
ناصر کی طرح جاؤں کہاں گھر سے نکل کر

پھر دیر تلک مجھ سے رہا محوِ تکلم
اک شخص مرے اپنے ہی مقدر سے نکل کر

ہم لوگ ابھی قائل تقدیر ہیں محسن
ہم لوگ کہاں جائیں مقدر سے نکل کر

○

گلاب بن گیا تتلی دیا ستارا ہوا
ترا وصال میسر نہ پھر دوبارہ ہوا

برابری پہ ہی کھیلی گئی محبت بھی
نہ ہم ہی اس کے ہوئے اور نہ وہ ہمارا ہوا

ملا نہ فائدہ دنیا خریدنے سے بھی
ضمیر بیچ کے بھی سر بسر خسارا ہوا

تمہاری شکل بھی امکان چشم غیر میں تھی
تمہارا نام بھی مجھ کو سلا پکارا ہوا

پرانی شام کے بعد اور باسی رات کے بعد
ملا تھا آج کا دن بھی مجھے گزارا ہوا

○

جہانِ اجر و سزا میں تو یہ عذاب نہ ہو
کہ شاخِ سبز و نمو یاب پر گلاب نہ ہو

وہ اولین محبت کا آخری آنسو
ہے احتمال اگر وہ بھی باریاب نہ ہو

عجب ہے کیا جو مہاجر پرندگاں کے لیے
سوال گمشدگی کا کوئی جواب نہ ہو

جواز کیا ہے ہم ایسوں کی زندگی کا یہاں
کہ بابِ عشق اگر شاملِ نصاب نہ ہو

میں بادبان اٹھاؤں مگر یہ سوچتا ہوں
کہیں یہ نیلا سمندر بھی اک سراب نہ ہو

○

مقبول بھی ہے حرف دعا رد شدہ بھی ہے
میرے اور اس کے بیچ کوئی تیسرا بھی ہے

جھگڑا ہی خد و خال کا طے ہو نہیں رہا
ہر چند منصفی کے لیے آئینہ بھی ہے

طرفہ بلا ہے طول شب عشق مستزاد
ہے نیند کا خمار بھی اور رتجگا بھی ہے

سوئے ہوئے ضمیر کو اس کی خبر نہیں
آسودۂ گناہ کوئی جاگتا بھی ہے

جو جھوٹ بولنے نہیں دیتا مجھے کبھی
وہ شخص میرے سچ پہ مجھے ٹوکتا بھی ہے

○

مطمئن راتوں کو بھی بے تاب دیکھیں گے کبھی
میری آنکھوں سے جب مہتاب دیکھیں گے کبھی

تجھ سے ہے وعدہ ہمارا اے شبِ زندہ دلاں
نیند سے فرصت ملی تو خواب دیکھیں گے کبھی

اچھے وقتوں میں یہ اندیشہ بھی دامن گیر ہے
چشمِ نم سے خندۂ احباب دیکھیں گے کبھی

اے ہوا نے بے تکلف دیکھنے والے مگر
میری شمعوں کو ستارہ یاب دیکھیں گے کبھی

○

یہ جو دیوار سے، ہم جانبِ در دیکھتے ہیں
بیٹھ کے گھر میں یونہی خوابِ سفر دیکھتے ہیں

ڈھونڈ لیتے ہیں ترے اسم میں اک اور ہی اسم
ہم تری شکل میں اک نقشِ دگر دیکھتے ہیں

نظر آتا ہی نہیں ہم کو کوئی تیشہ بدست
اپنے ملبے پہ کھڑے ہو کے جدھر دیکھتے ہیں

آنکھ دکھتی ہے، بہت سانس الجھتی ہے، بہت
جب کسی شاخ پہ ٹوٹے ہوئے پر دیکھتے ہیں

یاد آجاتا ہے خود اپنے بکھرنے کا سبب
ہم جو حیرت سے خزاؤں میں شجر دیکھتے ہیں

○

معجزہ یہ بھی سرِدست دکھایا جائے
مجھ کو مرہم کسی خنجر سے لگایا جائے

دل کے بہلانے کو کافی ہے یہی کارِ ہنر
کوئی بھیگا ہوا کاغذ ہی جلایا جائے

آسماں شہرِ خموشاں کی طرح خالی ہے
شاخ پہ بیٹھے پرندوں کو اڑایا جائے

ان خردمندوں کی صحبت سے کبھی اکتا کر
کسی بچے کو ہی پہلو میں بٹھایا جائے

کون ہوں کیا ہوں یہ احساس دلانے کیلئے
مجھ کو چپکے سے مرا نام بتایا جائے

ہم سے ملنے کے لئے دور سے آیا ہے کوئی
دے کے آواز ذرا خود کو بلایا جائے

○

کیسا عجیب کھیل مقدر سے لے گیا
میں لہر اک اٹھا کے سمندر سے لے گیا

افلاک کے سفر کی نشانی وہی تو تھی
جو گرد جھاڑ کر وہ مرے پر سے لے گیا

اک خواب نیم روز کو کر کے سپردِ شب
کیا حشر ٹال کر وہ مرے سر سے لے گیا

جو باریاب چشم زمانہ میں تھا کبھی
وہ رنگ چھین کر کوئی منظر سے لے گیا

خوئے سپردگی تھی سے مجھے بھی سو دن ڈھلے
جھونکا ہوا کا مجھ کو مرے گھر سے لے گیا

○

اس حاصلِ ہستی کا اظہار کیا جائے
جلتے ہوئے کاغذ پہ اک شعر لکھا جائے

کچھ کچھ ہی سہی کم تو ہو جائے گی تنہائی
ہر شخص کے ہاتھوں میں آئینہ دیا جائے

یہ وضعِ رفاقت بھی کیسی ہے کہ یاروں سے
کچھ بھی نہ کہا جائے کچھ بھی نہ سنا جائے

ہر سانس کے آنے سے ہر سانس کے جانے تک
ہر لمحہ قضا آئے ہر لمحہ قضا جائے

○

زندگی کیا ہے یہ احساس تو ہونے دے مجھے
بے سبب حالِ اسباب پہ رونے دے مجھے

کس طرح ہوتی ہے خوابوں میں شراکت داری
اپنی آنکھوں میں بس اک رات ہی سونے دے مجھے

کچھ نہیں لکھنا مجھے کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں
صفحۂ سادہ کو اشکوں سے بھگونے دے مجھے

فیصلہ کچھ تو ہو اس جبرِ تعلق کا کوئی
یا تو اپنا یا کسی اور کا ہونے دے مجھے

○

تمام عمر عجب امتحان میں ہم تھے
دیا تھے اور ہوا کی امان میں ہم تھے

حریف اپنا نہ تھا کوئی بھی ہمارے سوا
خود اپنے رُخ پہ خود اپنی کمان میں ہم تھے

کھلے پروں سے پرندوں کو تھا یہی صدمہ
کہ اپنے بند پروں سے اڑان میں ہم تھے

پڑے ہوئے کسی ٹھوکر کی زد پہ تھے ہی نہیں

تمام عمر مقید چٹان میں، ہم سے تھے

اسی لیے تو نہ چاہا طلوعِ مہر کبھی

جو موم سے تھا بنا، اس مکان میں، ہم سے تھے

جو بے بصر تھیں وہ آنکھیں تھیں میرے دشمن کی

جو بے لباس تھا، اس جسم و جان میں، ہم سے تھے

○

دیے کے گرد ہوا کا حصار کھینچتے ہیں
یہ رنج یار مرے بار بار کھینچتے ہیں

زبان زحمتِ اظہار سے گریزاں ہے
سو اپنے اشک سے دل کا غبار کھینچتے ہیں

کماں بھی میں ہوں ہدف پر بھی میں ہوں تیر بھی میں
سو مجھ کو میری طرف میرے یار کھینچتے ہیں

ستم تو یہ ہے کہ یہ لوگ کند خنجر بھی
ہمارے سینے سے اب آر پار کھینچتے ہیں

○

دنیا چاہے جو بھی کہے دنیا کی پروا مت کرنا
نرخ بڑھے جتنا بھی یہاں خوابوں کا سودا مت کرنا

عشق مکمل ہو جائے تو حسن ادھورا رہتا ہے
وعدہ کرنا ٹھیک ہے لیکن وعدہ پورا مت کرنا

ان کے گماں میں ساری دنیا ایک عجیب پہیلی ہے
گم صم رہنے والوں کی باتوں کا بھروسہ مت کرنا

تب دل کے کیچڑ سے دامن ہم بھی صاف بچالیں گے
دیکھو اپنا اُجلا آنچل تم بھی سلامت رکھنا

شہرِ زر کی گلیوں میں پھولوں کی دکانیں بند ہوئیں
مجرم ہوں اس بات پہ میں اس بات کا چرچا مت کرنا

○

بساطِ وقت پہ وہ چال چل رہا ہوں میں
کہ اپنی عمر سے آگے نکل رہا ہوں میں

گماں تک نہیں اس کو میرے تغیر کا
کچھ اس سلیقے سے خود کو بدل رہا ہوں میں

نشے کی موج میں یہ بھی نہ ہو سکا معلوم
کہ یہ تو آگ کی لپٹیں مسل رہا ہوں میں

خود اپنی دید کی خواہش ہے مجھ کو مدت سے
خود اپنے ہجر کی حدت میں جل رہا ہوں میں

یہی تو ہے مرے ادراک کی سزا محسن
صراط بے خبری پر جو چل رہا ہوں میں

○

ہر طرف واہمے ہر طرف ابتلا شہر افسوس میں
دست بستہ ہیں سب کون مانگے دعا شہر افسوس میں

شہر افسوس کے باسیوں نے مرے خواب ٹھکرا دیئے
اور مرے عشق کو مکر سمجھا گیا شہر افسوس میں

چھید کر انگلیاں ہم بجاتے رہے بانسری بھی مگر
کوئی سنتا نہیں درد دل کی صدا شہر افسوس میں

چھت کی کڑیاں گنیں یا یونہی رات بھر دل کی دھڑکن سنیں
کوئی دیتا نہیں عندیہ خواب کا شہرِ افسوس میں

طاق در طاق ہے بس یہی سلسلہ مدتوں سے یہاں
بجھ رہے ہیں دیے چل رہی ہے ہوا شہرِ افسوس میں

اردو غزل بھی عجب معشوقانہ انداز رکھتی ہے لیکن جو اس کو رام کرلے یہ اس سے رم بھی جاتی ہے۔ محسن چنگیزی نے اردو کی اس کافر ادا حسینہ کو اپنے سینے میں اُتار لیا ہے۔ یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ وہ میرے وطن عزیز بلوچستان کی "یُوٹی" ہے بلکہ اس لیے کہ وہ غزل کی روایت میں نقب زنی کا حوصلہ رکھتا ہے۔ خوش باشید و زندہ باشید

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

حال ہی میں جس شاعر کا نام اردو غزل کے علاقے میں ایک خوشبو کی طرح پھیلا ہے وہ محسن چنگیزی کا نام ہے روایت اور جدید طرزِ احساس کے امتزاج نے اس شاعر کے بیان کو دلکش بنایا ہے اور اس دلکشی نے ہر طبقہ ءخیال کے پڑھنے اور سننے والے پر اثر کیا ہے۔ اظہار میں سادگی اور پُرکاری اس کے کلام کی خصوصیت ہے۔ آشوب دہر اور رنج دروں میں پھلی بڑھی محسن چنگیزی کی شاعری مسلسل خوب سے خوب تر ہونے کے عمل میں ہے۔

منیر نیازی

محسن چنگیزی تمہارا جون بھائی تم پر اپنے باطن سے نازاں ہے۔

جونؔ ایلیا